نوید جہاں خان

عہدِ جہاں گیری میں کتب خانے

جہاں گیر (۱۶۰۵ – ۱۶۲۷) اہل قلم، اہل علم، علم پرور اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کے اور اس ے بیٹے شاہ جہاں کے دور میں مغل دربار گہوارۂ علم و ادب تھا۔ جہاں گیر کی خود نوشت سوانح عمری تزک جہاں گیری ں کی انشا پردازی اور زورِ قلم کا بہترین نمونہ ہے۔ جہاں گیر نے جب اپنے عہد کے بارہ سالہ واقعات کو تزک ں قلم بند کیا تو اس نے اپنے کتب خانۂ شاہی کے نقل نویسوں کو تزک کی نقول تیار کرنے کے لیے کہا تاکہ اسے ہزادوں اور امرائے خاص میں تقسیم کیا جا سکے۔ جب نقول تیار کر لی گئیں تو اس نے سب سے پہلے شاہ جہان و تزک جہاں گیری کا نسخہ ارسال کیا۔ بعد میں کچھ نقول امرائے خاص کو بھیج دی گئیں[1] اور باقی نسخے کتب خانہ شاہی میں حفوظ کر لیے گئے۔

تزک جہاں گیری میں جہاں گیر نے اپنے دور کے سترھویں سال کے ابتدائی دنوں کے واقعات کو خود قلم بند کیا۔ بعد یں جب اس کی صحت کمزور ہو گئی اور وہ لکھنے کے قابل نہ رہا تو اس کے حکم پر سترھویں سال جلوس سے انیسویں سال کے ابتدائی مہینوں تک کے واقعات کو معتمد خان نے جہاں گیر کی نگرانی میں تحریر کیا۔ جب کہ عہدِ جہاں گیری کے بعد کے واقعات کو محمد ہادی نے محمد شاہ (۱۷۱۹ – ۱۷۴۸) کے دور میں تحریر کر کے تزک جہاں گیری کو پایۂ تکمیل

نوٹ: مترجم نے تزک کو توزک لکھا ہے، اس لیے حوالوں میں لفظ توزک ہی لکھا گیا ہے۔

[1] جہاں گیر، توزکِ جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸) جلد اول، ص ۴۴۶، جلد دوم ۹۰۰۔

سعید احمد رفیق "شاہانِ مغلیہ کا شاہی کتب خانہ" الزبیر کتب خانہ نمبر، بہاول پور، اردو اکادمی ۱۹۶۷)، ص ۵۹۔

BENI PRASAD, HISTORY OF JAHANGIR (ALLAHABAD: THE INDIAN PRESS PRINOTE LTD, 1962), P 48.

تک پہنچایا[۲]

کتب خانۂ جہاں گیری

جہاں گیر کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا ۔ وہ بیرونی ممالک اور تاجروں سے نادر کتب خرید کر بہت خوش ہوتا تھا ۔ کتب خانۂ جہاں گیری میں تزک بابری کا وہ نسخہ موجود تھا جو خود بابر کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا ۔ وہ اپنی تزک میں تحریر کرتا ہے :

"کابل کے حالات معلوم کرنے کے لیے حضرت فردوس مکانی کے لکھے ہوئے واقعات (تزک بابری) میری نظر سے گزرتے رہتے تھے ۔ سوائے چار اجزا کے باقی تمام واقعات ان کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں ۔ یہ چار جزو میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں ۔ ان اجزا کے آخر میں میں نے ترکی زبان میں ایک اور عبارت لکھ دی ، جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ چار اجزا میرے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ۔ باوجود اس کے کہ میں ہندوستان میں پلا اور بڑا ہوا ہوں ، میں ترکی زبان کے لکھنے اور بولنے سے عاری نہیں ہوں"[۳]

کتب خانۂ جہاں گیری میں مشہور مصنفین کی اکثر تصانیف کے علاوہ مصوری اور آرٹ کے بہترین شاہکار تھے ۔ شعرا کے کلام اور خطاطی کے اعلیٰ نمونے شاہی کتب خانے کی زینت بنتے ۔ جہاں گیر کو کتابوں سے جو والہانہ محبت تھی ، اس

---

[۲] JAHANGIR, TUZUK-I-JAHANGIRI, TRANSLATED INTO ENGLISH BY ALEXANDER ROGERS (LAHORE : SANG-E-MEEL PUBLICATIONS : 1974), VOL II, PP 246, 299 ; CHARLES RIEU, CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE BRITISH MUSEUM (OXFORD : THE TRUSTEES OF THE BRITISH MUSEUM, 1966), PART I, P 253

[۳] توزک جہاں گیری ، مترجم اعجاز الحق قدوسی ، جلد دوم ، ص ۳۳۶ ۔

N. N. LAW, PROMOTION OF LEARNING IN INDIA (CALCUTTA: LONGMANS GREEN AND CO, 1916), P 174.

[۴] توزک جہاں گیری ، مترجم اعجاز الحق قدوسی ، جلد اول ، ص ۲۰۸

اظہار کرتے ہوئے مارٹن لکھتا ہے کہ وہ (جہاں گیر) ایک اچھی کتاب ہر قیمت پر خریدنا چاہتا ہے، خواہ اس کو کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ ایک بار بادشاہ نے ایک کتاب کو تین ہزار طلائی مہروں یعنی دس ہزار پونڈ میں خریدا جب کہ اس وقت پیرس میں اس کی قیمت دو ہزار پونڈ سے زیادہ نہ ہوگی[۴]

۱۶۱۰ میں عبدالرحیم خان خاناں نے مثنوی یوسف زلیخا کا ایک مصور نسخہ جو ملا میر علی نے آب زر سے لکھا تھا، جس کی طلائی جلد نہایت دیدہ زیب تھی اور جس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی، جہاں گیر کی خدمت میں اپنے وکیل معصوم کی معرفت پیش کیا۔ جہاں گیر نے اس نسخے کو پسند فرمایا اور وہ کتب خانۂ شاہی میں بھجوا دیا گیا۔[۵]

سفری کتب خانہ

جہاں گیر کو چونکہ مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا، اس لیے وہ سفر میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک بار جب وہ گجرات گیا تو اس نے گجرات کے علما و شیوخ کو اپنے سفری کتب خانے سے چند کتابیں عطا کیں مثلاً تفسیر حسینی، تفسیر کشاف، روضۃ الاحباب اور دیگر کتابیں شیوخ گجرات میں تقسیم کیں۔ ایسے موقعوں پر عطا کی جانے والی کتابوں پر جہاں گیر اپنے دستخط کرتا تھا۔ اس موقعے پر بھی اس نے ان کتابوں کی پشت پر گجرات میں اپنی آمد کی تاریخ اور جس عالم کو جو کتاب دی گئی، اس کا نام تحریر کیا۔[۶] اسی طرح ایک بار جب اس نے کتب خانۂ شاہی میں موجود قرآن مجید کا وہ نسخہ جسے یعقوب المعتصمی نے لکھا تھا، سید شاہ عالم کے پوتے سید محمد کو عطا کیا تو اپنے قلم سے اس کی پشت پر تاریخ، مقام اور اپنا نام لکھا۔[۷]

---

[۴] LAW, PROMOTION OF LEARNING, p. 176.

[۵] تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد اوّل، ص ۲۹۸

[۶] صباح الدین عبدالرحمان، بزم تیموریہ، (اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۴۸)، ص ۱۹۸۔

تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد اول، ص ۶۵۵-۶۵۶۔

ABDUL AZIZ, THE IMPERIAL LIBRARY OF THE MUGHULS ED. BY A SHAKOOR AHSAN, (LAHORE: PUNJAB UNIVERSITY PRESS, 1967), p50. LAW, PROMOTION OF.

[۷] تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۴۲-۴۳

شاہی کتب خانے کی تنظیم -

جہاں گیر اپنے کتب خانے کے نظم و نسق میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے کتب خانے اور آرٹ گیلری کا مہتمم مکتوب خان تھا[۸] جو ایک اچھا خطاط اور عالم و فاضل شخص تھا۔ جہاں گیر کتابوں کی درجہ بندی کے متعلق خاص ہدایات جاری کرتا تھا۔ مثلاً وہ ایک کتاب پڑھنے کے بعد خود ہی اس کی تخصیص کر دیتا تھا کہ اس کو خاصۂ اول یا خاصۂ دوم یعنی درجہ اول یا درجہ دوم کی کتابوں میں جگہ دی جائے۔ مرزا عضد الدولہ کی فرہنگِ جہاں گیری کو اس نے بہت پسند کیا اور خاصۂ اول میں رکھنے کا حکم دیا۔ فرہنگِ جہاں گیری پر اس نے تزکِ جہاں گیری میں بہترین تبصرہ کیا ہے اور اس کی بہت سی خوبیاں بیان کی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے مطابق فارسی لغت سے متعلق جو کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں، کسی میں قدمائے شعراء بطور سند لانے کا التزام نہ تھا۔ فرہنگ جہاں گیری میں پہلی بار اس کا التزام کیا گیا اور اس کی یہی نمایاں خصوصیت ہے[۹]

شعبۂ تصویر کشی

شعبۂ تصویر کشی، کتب خانۂ جہاں گیری کا ایک اہم حصہ تھا۔ جہاں گیر کو مصوری سے عشق تھا۔ اس کے اس شوق نے کتب خانۂ شاہی کی اہمیت کو دو بالا کر دیا۔ مارٹن کے قول کے مطابق جہاں گیر بھاری رقوم خرچ کر کے کتابیں مصور کرواتا اور یہ کام عموماً اس کی سرپرستی میں انجام پاتا تھا۔ ایران اور دوسرے ممالک کے اچھے اچھے مصور اور نقاشوں نے جہاں گیر کے دربار میں جگہ پائی۔ کتابوں میں منظر کشی، ان کی تزئین اور حاشیہ آرائی اس دور میں عروج پر تھی، جس کی وجہ سے کتابیں بہت دیدہ زیب ہو گئی تھیں۔ شہزادے اور امرائے سلطنت ایسے ایسے مرقع جات جہاں گیر کو پیش کرتے جو نوادر میں شمار ہوتے تھے۔ یہ سب شاہکار کتب خانۂ شاہی میں جمع کروا دیے جاتے تھے۔

دربارِ جہاں گیری کا بہترین مصور ابو الحسن ایک ایرانی فن کار تھا۔ اس کی بنائی ہوئی بہت سی تصاویر شعبۂ تصویر کشی میں موجود تھیں۔ جہاں گیر اس کی تعریف اپنی تزک میں ان الفاظ میں کرتا ہے :

---

۸ تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۲۹

۹ محمد زبیر، اسلامی کتب خانے، (کراچی: ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، ۱۹۷۸)، ص ۲۱۳ — مولانا شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (اعظم گڑھ: دار المصنفین، ۱۹۳۴)، جلد چہارم، ص ۱۱۳ — تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۳۵۴-۳۵۵

"ابوالحسن مصور نے جس کو میں نے نادر الزماں کا خطاب دیا ہے، جہاں گیر نامہ (تزک جہاں گیری) کے پہلے صفحے پر میری رسم تاجپوشی ں ایک تصویر بنا کر پیش کی۔ چونکہ تصویر قابل ستائش تھی، اس لیے میں نے اس سے انتہائی لطف و کرم کا سلوک کیا۔ اس کو مصوری ب کمال حاصل ہے . . . فی زمانہ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اگر آج استاد عبدالحی اور استاد بہزاد جو فن مصوری کے مانے ہوئے ستاد تھے، زندہ ہوتے تو وہ ابوالحسن کے فن کی صحیح داد دے سکتے تھے . . . [10]"

استاد منصور اس دور کا ایک اور نامور مصور تھا جسے جہاں گیر نے نادر العصر کا خطاب عطا کیا۔ فرخ بیگ قلماق اور قارضا کا شمار بھی عہد جہاں گیری کے مشہور مصوروں میں ہوتا ہے۔ ان مصوروں کی بنائی ہوئی شبیہیں اور تصاویر نے بہت ام پایا [11]

جہاں گیر خود تو مصور نہیں تھا، مگر اس کو آرٹ کی باریکیوں اور فنی پہلوؤں کو سمجھنے میں اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ وہ لسی تصویر کو دیکھ کر اس کے مصور کا نام بتا سکتا تھا، اور اگر ایک تصویر میں ایک سے زیادہ مصوروں نے حصہ لیا ہوتا تو ہ ہر حصے کے مصور کا نام آسانی سے بتا سکتا تھا [12]

کتب خانۂ جہاں گیری میں فن کے بہترین شاہکار تھے۔ اس کے دربار میں مصور بھی یکتائے روزگار تھے۔ ایک بار انگلستان کے سفیر سر ٹامس رو نے یورپ کا ایک شاہکار جہاں گیر کو پیش کیا۔ کچھ ہی دنوں میں شاہی مصوروں نے اس کی ہوبہو ئی نقلیں تیار کر لیں۔ جب اصلی تصویر کو مغل مصوروں کی تیار کی ہوئی نقول میں شامل کر کے سر ٹامس رو کو دکھایا گیا تو وہ اصل تصویر کو نہ پہچان سکا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فن مصوری میں جہاں گیری مصوروں اور نقاشوں کو کس قدر عبور حاصل تھا۔ انسان کی شبیہ بنانے کے علاوہ جہاں گیر کو قدرتی مناظر، جانوروں اور چرند پرند کی تصاویر

---

[10] توزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ٢٦٠

LAW, PROMOTION OF LEARNING, PP 176-177.

[11] ABDUL AZIZ, IMPERIAL LIBRARY, P 38.

توزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ٢٦٠

[13] ایضاً، ص ٢٧

BENI PRASAD, HISTORY OF JAHANGIR, P 85 (FOOT NOTE)

بنوانے کا بھی شوق تھا۔[۱۳]

کتب خانہ شاہی میں جہاں گیر نے فن کے بہترین نمونے اکٹھے کر کے اسے ایک مثالی کتب خانہ بنا دیا تھا۔ خواجہ عبد الصمد شیریں قلم کا بیٹا شریف خان عہد جہاں گیری کا ایک نامور مصور اور خطاط تھا۔ اس نے چاول کے ایک دانے پر ایک مسلح گھوڑ سوار کی تصویر بنائی جس کے آگے ایک خادم مع تلوار، ڈھال اور چوگان کھڑا ہے[۱۴]

ایرانی مصور تصویر کشی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

جہاں گیر کے شاہ ایران، شاہ عباس اول (۱۵۸۷ - ۱۶۲۹) کے ساتھ خوش گوار اور برادرانہ تعلقات تھے، اس لیے صفوی حکمران بھی جہاں گیر کے فن مصوری سے لگاؤ کے پیش نظر ایران سے اسے مصوری کے عمدہ نمونے بھیجتا رہا۔ اس کے علاوہ مغل سفیر جب بھی ایران بھیجا جاتا وہ وہاں سے آرٹ کے نادر نمونے خرید کر دربار جہاں گیری میں پیش کرتا۔ ایک بار مغل سفیر خان عالم کو ۱۶۱۹ میں اصفہان میں ایک بہت ہی یادگار اور نادر تصویر ہاتھ لگی جو اس نے بھاری قیمت ادا کر کے خریدی۔ یہ تصویر امیر تیمور کی ایک جنگ کی تصویر تھی جو اس نے تقتیمش خان کے ساتھ لڑی تھی۔ اس تصویر میں ان سب تیموری شہزادوں اور امرائے کبار کی تصویریں تھیں جنھوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ہر ایک کی تصویر علیحدہ علیحدہ بنائی گئی تھی اور ہر تصویر میں صاحب تصویر کا نام درج تھا۔ یہ تصویر دو سو چالیس آدمیوں پر مشتمل تھی۔ مصور نے اپنا نام خلیل میرزا شاہ رخی لکھا تھا۔ جہاں گیر کے خیال کے مطابق بہزاد اس کے شاگردوں میں سے ہوگا، کیونکہ خلیل میرزا کا زمانہ بہزاد سے پہلے کا ہے اور بہزاد نے تصویر کشی میں خلیل میرزا کی روش اختیار کی۔ یہ تصویر شاہ اسمٰعیل اول (۱۵۰۲ - ۱۵۲۴) یا شاہ طہماسپ (۱۵۲۴ - ۱۵۷۶) کے کتب خانہ سے منتقل ہو کر شاہ عباس اول کے کتب خانہ میں پہنچی۔ وہاں سے صادقی نامی کتاب دار نے اسے چرا کر کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور بالآخر خان عالم اسے خرید کر ہندوستان لے آیا اور جہاں گیر کی خدمت میں پیش کی اور یہ تصویر کتب خانہ شاہی کے شعبہ تصویر کشی

---

۱۳ محمد زبیر، اسلامی کتب خانے، ص ۲۱۲

LAW, PROMOTION OF LEARNING, p 177.

۱۴ ABDUL AZIZ, IMPERIAL LIBRARY, p 22.

۱۵ توزک جہاں گیری - مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۱۲۶ - ۳۰

میں شامل کردی گئی۔

جہانگیر کو صفوی دربار اور خاندان صفوی اور ایرانی امرائے کبار کے دیکھنے کی بڑی تمنا تھی۔ اس لیے اس نے ایک درباری مصور بشن داس کو شاہ عباس اول اور اس کے دربار کی تصاویر بنانے کے لیے اصفہان بھیجا جو دربار صفوی اور بڑے لوگوں کی تصاویر کا ایک خاص مرقع تیار کرکے لایا۔ جہاں گیر ان تصاویر کو ملاحظہ کرکے بہت خوش ہوا، چنانچہ یہ شاہکار شعبۂ تصویرکشی میں داخل کردیے گئے[16]

خطاطی

عہد مغلیہ میں خطاطی شروع ہی سے شاہی کتب خانے کا ایک اہم شعبہ تھا۔ جہاں گیر کے کتب خانے میں اعلیٰ پایہ کے خطاط، نقل نویس اور خوش نویس تھے۔ اس کے بیٹے خسرو کی خوش نویسی بہت مشہور تھی۔ اس کا دوسرا بیٹا سلطان پرویز قرآن حکیم کی کتابت کیا کرتا تھا۔ مولانا مرزا شکراللہ شیرازی، خط نسخ اور خطِ نستعلیق کے ماہر تھے[17]۔ اس کی خطاطی کے بے شمار نمونے کتب خانہ شاہی میں موجود تھے۔

تصانیف

ذیل میں عہد جہاں گیری میں لکھی جانے والی کچھ تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ معمول کے مطابق مصنفین اپنی کتابیں بادشاہ کو پیش کرتے اور وہ ملاحظے کے بعد ان کو کتب خانہ شاہی میں داخل کرنے کا حکم دیتا۔ آصف خاں نے نظامی گنجوی کے تتبع میں ایک مثنوی خسرو شیریں لکھی اور بادشاہ کے نام معنون کرکے اس کا نام نورنامہ رکھا، جہاں گیر نے اسے کتب خانہ شاہی میں بھجوا دیا۔ ملّا کامی شیرازی نے وقائع زمان لکھی جو فتح نامہ نورجہاں کے نام سے مشہور ہوئی۔ عبدالستار نے ہمایوں بادشاہ کی چند دعاؤں اور علم فلکیات پر مشتمل مضامین کو مرتب کرکے ایک مجموعہ تیار کیا جو جہاں گیر کو پیش کیا گیا۔ اس کے صلے میں ایک ہزار نقد انعام کے علاوہ عبدالستار کے منصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔ نعمت اللہ نے خان جہان لودھی کی فرمائش پر ۱۶۱۱ میں مخزن افغانی لکھی۔ احمد یادگار نے عہد جہاں گیری میں تاریخ سلاطین افاغنہ تصنیف کی۔ مصنفین کی یہ تصانیف کتب خانۂ جہاں گیری کی زینت

---

[16] توزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۱۰۷

[17] صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، ص ۱۲۳، ۲۲۰

بنیں شلہ
شعرا

جہاں گیر کے عہد میں شعر و ادب کا بہت زور تھا۔ وہ خود بھی شاعر تھا اور شعرا کا قدردان بھی تھا۔ ایران و توران سے شعرا ہندوستان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور اپنے ساتھ کتابوں اور رسائل کی صورت میں علمی خزانے بھی لاتے تھے۔ بعض کتب و رسائل بادشاہ کو نذر کیے جاتے جن کو کتب خانۂ شاہی میں داخل کیا جاتا تھا۔ شعرا اپنی تخلیقات یعنی غزلیات، مثنویاں، قصائد، نظمیں اور دیوان وغیرہ بادشاہ کو پیش کرتے، یہ سب چیزیں کتب خانہ جہاں گیری میں بھیج دی جاتیں۔ جہاں گیری دور کے چند شعرا کے نام یہ ہیں، طالب آملی جسے ۱۶۱۹ میں جہاں گیر نے ملک الشعرا کا خطاب عطا کیا۔ نظیری نیشاپوری، آقا صفی صفاہانی، مولانا شکیبی، حکیم عارف، شیدا، عزبتی لاہوری، اسد بیگ قزوینی، حیاتی گیلانی، ملا نطقی تبریزی جس کو جہاں گیر نے موزون الملک کا خطاب عطا کیا۔ عطائی معنوی، بابا طالب اصفہانی، ملا محمد صوفی مازندرانی، سعیدائے گیلانی، زرگر باشی، میر معصوم کاشی، قولشورہ کاشی اور ملا حیدر حصانی۔[19]

درس گاہی کتب خانے

جہاں گیر نے اپنی سلطنت میں تعلیم عام کرنے کے لیے مدارس اور درس گاہی کتب خانوں کے قیام میں بہت دلچسپی لی۔ اس نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لاوارث مر جائے تو اس کی چھوڑی ہوئی دولت

شلہ تزک جہاں گیری، مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۱۰۶ - ۱۰۷۔

ABDUL AZIZ, IMPERIAL LIBRARY, p. 52.

RIEU, CATALOGUE OF PERSIAN MANUSCRIPTS, PART I, pp 210-12, PART III, p 922.

۱۹ صباح الدین عبدالرحمان، بزم تیموریہ، ص ۱۳۷-۱۴۱، ۱۳۵-۱۳۹، ۱۵۳-۱۶۰ — تزک جہاں گیری مترجم اعجاز الحق قدوسی، جلد دوم، ص ۳۶، ۱۴۸۔

YAR MUHAMMAD KHAN, IRANIAN INFLUENCE IN MUGHAL INDIA, (LAHORE: PUNJAB UNIVERSITY PRESS 1968), pp 21-22

سے مدارس اور خانقاہیں تعمیر کی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کے تحت کئی مدرسے اور ان سے ملحق کتب خانے قائم ہوئے۔ فرمانِ افغانی کے مطابق جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد ان مدرسوں کی بھی مرمت کروائی، جن کو گزشتہ تیس سالوں بن پرندوں اور جانوروں نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اس نے حکم جاری کیا کہ ان مدرسوں میں دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جائے[۱۲۰] اور ان مدرسوں کے ساتھ ساتھ کتب خانے بھی قائم کیے گئے۔

اکبر کے عہد میں آگرے کو جو تعلیمی مرتبہ حاصل تھا، اس کی حیثیت جہانگیر کے زمانے میں بھی قائم رہی۔ محمد صفی دیوانِ برات نے جبل پور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ سیف خان ناظم گجرات نے احمد آباد میں اپنے خرچ پر ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ ملا عبدالسلام لاہوری کا مدرسہ عہد جہانگیری کے مشہور مدارس میں سے تھا۔ ملا عبدالسلام منقولات و معقولات کے ماہر تھے۔ انھوں نے پچاس برس درس و تدریس کا کام کیا، اس مدرسے کے فاضلین میں سے میرک شیخ ہروی مشہور عالمِ دین تھے[۱۲۱]

یہاں ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد میں طلبا کو مدرسے کی طرف سے کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں اور چونکہ ہر مکتب اور مدرسے کا اپنا اپنا تعلیمی نصاب ہوتا تھا، اس لیے ہر مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانے کا ہونا لازمی تھا۔ مؤرخین نے جہاں مدرسوں کا ذکر کیا ہے، وہاں سب کتب خانے علیحدہ ذکر کرنے کو ضروری نہیں سمجھا۔ البتہ کہیں کہیں درس گاہی کتب خانوں کا ذکر بھی کتب تاریخ میں آتا ہے۔ اہم یہ بات حقیقت ہے کہ ہر مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانہ ہوتا تھا۔

جہانگیر کے عہد میں لاہور کے چند مشہور مدرسے یہ تھے، مدرسۂ ملا عبدالخالق، مدرسہ محمد سعید اعجاز، مدرسۂ قلیچ خان اور مدرسۂ مسجد عیدگاہ جہانگیری۔ جہانگیر نے لاہور میں ایک بڑی عیدگاہ تعمیر کروائی تھی اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ اور کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ اس مدرسے کی عمارت انگریزوں کے ابتدائی دور

---

۱۲۰ علم الدین سالک، "علمائے کرام، دینی مدرسے،" نقوش، لاہور نمبر (لاہور: ادارۂ فروغ اردو، ۱۹۶۲)، ص ۴۶۲

LAW, PROMOTION OF LEARNING, p.175.

۱۲۱ علم الدین سالک، "دینی مدرسے"، ص ۴۷۵، ۴۸۲۔

LAW, PROMOTION OF LEARNING, p.175.

تک قائم تھی۔ تحقیقات چشتیہ کے مصنف نور احمد چشتی نے اس عمارت کو خود دیکھا تھا۔ شاہ جہان کے عہد میں بھی یہ مدرسہ قائم تھا۔ مدرسے کے نام کافی جائداد وقف تھی۔ جہانگیر کے عہد میں اس مدرسے کے مہتمم اور صدر المدرسین مولوی عنایت حسین تھے۔ اس مدرسے کا کل عملہ پچاس افراد پر مشتمل تھا۔[۲۲]

خانقاہی کتب خانے

صوفیائے کرام کی خانقاہیں بھی علمی درس گاہوں کا کام دیتی تھیں۔ ان کے کتب خانوں کو خانقاہی کتب خانے کہا جاتا تھا، جہاں محققین اور علمائے کرام استفادہ کرتے تھے۔ عہدِ جہانگیری میں سید عبد الحق اور شاہ شمس الدین قادری کی خانقاہوں کے کتب خانے طلبا اور محققین کی علمی ضروریات پوری کرتے تھے۔[۲۳]

۲۲۔ علم الدین سالک، "دینی مدرسے"، ص ۲۰۶

۲۳۔ ایضاً

اسلام — دینِ آسان

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

جو لوگ اسلام کے احکام کو بہت دشوار اور ناممکن العمل سمجھتے ہیں انھیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کو ہماری تنگ نظری اور غلط فہمیوں نے دشوار بنا دیا ہے ورنہ حضورِ اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دین آسان ہے۔ اس کتاب میں ایسے متعدد مسائل پر تفصیل سے عقلی روشنی ڈالی گئی ہے جو بہت الجھے ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔

صفحات ۳۶۸   قیمت ۱۲۔۰۰ روپے

ملنے کا پتا : ———— ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور